Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:3 (1967)

تشکیلِ قوانینِ اسلامی کے تاریخی مراحل

مفتی امجد العلی ـــــ ادارۂ تحقیقات اسلامی

(۳)

چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے انصاف میں اس حالت کو نقل کرتے ہوئے فرمایا:

واعلم ان الناس کانوا فی مائۃ الاولی والثانیۃ غیر مجمعین علی التقلید لمذھب واحد لبعینہ۔ قال ابوطالب المکی فی قوت القلوب، ان الکتب والمجموعات محدثۃ والقول بمقالات الناس والفتیا بمذھب الواحد من الناس واتخاذ قولہ والحکایۃ لہ فی کل شیٔ والتفقہ علی مذھبہ لم یکن الناس قدیما علی ذلک فی القرنین الاول والثانی انتھٰی۔ بل کان الناس علی درجتین العلماء والعامۃ وکان من خبر العامۃ انھم کانوا فی المسائل الاجماعیۃ التی لا اختلاف فیما بین المسلمین اور بین جمھور المجتھدین لا یقلدون الا صاحب الشرع۔

اور تمہیں جاننا چاہیئے کہ پہلی اور دوسری صدی میں لوگ کسی خاص مذہب کی تقلید پر مجتمع نہ تھے۔ ابوطالب مکی نے قوت القلوب میں فرمایا ہے کہ کتب اور تمام مجموعات بعد میں وجود میں آئے۔ اور لوگوں کے قول سے اخذ کرنا اور کسی ایک مذہب کے مطابق فتوٰی دینا اور اس کے قول کو فتوے میں بطور حکایت نقل کر دینا اور اسی مذہب پر محض اعتماد کر لینا قدیم زمانے (اوّل دوسری صدی) میں یہ طریقہ نہ تھا۔ بلکہ لوگوں کے صرف دو درجے تھے۔ اوّل علماء دوم عوام۔ عوام کا ایسے مسائل میں جن میں علماء کا متفقہ طور پر اجماع تھا اور کسی طرح ان میں اختلاف نہ تھا۔ یہ طرز عمل تھا کہ ان میں صرف صاحب الشرع کی تقلید کیا کرتے)

اس عبارت کے ایک سطر بعد شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:۔

واذا وقعت لہم واقعۃ نادرۃ استفتوا فیھا ای مفتی وجدوا من غیر تعیین مذھب

قال ابن الهمام فی آخر التحریر کانوا یستفتون مرۃ واحدا و مرۃ غیرہ غیر ملتزمین مفتیا واحدا انتھی[۱]) اور جب لوگوں کے سامنے کوئی نیا واقعہ پیش آتا تو وہ جس مفتی سے موقع ملتا فتوٰی حاصل کر لیتے اور کسی مذہب کا تعین نہ تھا۔ ابن ہمام نے تحریر کے آخر میں لکھا ہے کہ کبھی کسی سے فتوٰی لیتے اور اور کبھی کسی سے۔ وہ لوگ کسی ایک شخص کے پابند نہ تھے۔

اس کے بعد عہد ثالث میں جو کہ تبع تابعین سے شروع ہوتا ہے، ایسے حالات پیدا ہونے شروع ہوئے جن کی بنا پر تقلید شخصی لازمی قرار پا گئی اور وہ یوں کہ صحابہ کے عہد ہی میں اسلام شرقاً و غرباً اور شمالاً و جنوباً پھیل چکا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر بلاد قیصر و کسریٰ، عراق و شام و مصر و بلاد شمالی افریقہ وغیرہ کی فتوحات سے اپنی نعمت عظمیٰ کو مکمل فرما دیا تھا اور اکثر صحابہ اور ان کے بعد تابعین ان تمام مفتوحہ بلاد کے بعید و قریب مقامات میں پھیل گئے تھے۔ اور یہی حال آئمہ حدیث اور فقہاء امت کا تھا۔ نیز ہر مقام کی روایاتِ احادیث، مضامین احادیث اور ان کے مطالب میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ چنانچہ اہل شام کی مرویات اہل عراق سے اہل مدینہ کی اہل مکہ سے اور اہل کوفہ کی اہل بصرہ و مصر سے مختلف تھیں۔ اسی طرح ہر مقام کے فقہاء و مجتہدین مختلف اجتہادی صلاحیتوں کے مالک تھے اس کی وجہ سے ان میں احکام شرعیہ کے استخراج کا اختلاف تضاد کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ چنانچہ ایسے کثیر واقعات موجود ہیں جن میں باوجود مشابہت و مماثلت کے مختلف قضاۃ و ائمہ کے فیصلے اور فتوے باہم ایک دوسرے کے متناقض ہیں۔ اور اس کا واضح سبب صرف یہی ہے کہ مدارک قضا اور معرفت احکام میں ان حضرات کی مقدرت مختلف تھی۔ اور احادیث و آثار کے تحفظ میں بھی ان میں باہم تفاوت تھا۔ ان حالات میں مسلمان اس امر پر مجبور ہوئے کہ وہ اپنی دینی و دنیوی زندگی سے متعلق شرعی احکامات میں فقہاء و ائمہ سے رجوع کریں۔

غرض بلاد اسلامیہ کے مختلف مقامات میں آباد مسلمان ان تمام واقعات محدثہ کے سلسلے میں جو انہیں نئے نئے حالات اور نئی نئی مقامی خصوصیات و عادات اور مختلف اطوار معاشرت کی بنا پر پیش آتے تھے اپنے اپنے مقامی فقہاء کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور اس طرح ہر مقام کے عامۃ المسلمین کی نظر میں اپنے مقامی فقہاء مجتہدین کا احترام دوسرے فقہاء کے مقابلے میں بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ تبع تابعین کا دور شروع

---

[۱] انصاف محولہ بالا ص۱۸ مطبوعہ مصر

ہوجاتا ہے۔ اس دور میں ائمہ مجتہدین میں سب سے زیادہ نمایاں و مشہور ہستیاں ائمہ اربعہ کی قرار پا جاتی ہیں جن کے مقابلے میں دیگر ائمہ مجتہدین کے مذاہب کالعدم ہوجاتے ہیں۔ یہ تصور کر لینا کہ ائمہ اربعہ کے عہد میں صرف یہی حضرات یعنی امام مالک بن انس، امام ابوحنیفہ و بعدہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ ہی ائمہ مجتہدین تھے، صحیح نہیں، بلکہ اس عہد میں ایسے ائمہ بھی موجود تھے جن کی امامت و اجتہادی آرا کا اس وقت کے عامۃ مسلمین کو اعتراف تھا۔ اور ان حضرات کی فقہی امامت پر ان کا اتفاق تھا اور ان کی جلالت شان کے مذکورہ ائمہ اربعہ بھی معترف تھے۔ مثلاً مکہ معظمہ میں سفیان بن عیینہ، بصرہ میں حضرت حسن بصری اور کوفہ میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ سفیان ثوری۔ شام میں اوزاعی، مصر میں شافعی کے ماسوا حضرت لیث بن سعد، نیشاپور میں اسحاق ابن راہویہ اور بغداد میں ابوثور و احمد و داؤد ظاہری و ابن جریر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ یہ حضرات اپنے شہروں میں عامۃ المسلمین کا مرجع و ماوی تھے۔ اگرچہ آج ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر ائمہ مذکورہ کے مذاہب معدوم ہو چکے مگر کہیں کہیں ان حضرات کی آراء مذاہب اربعہ کی کتب فقہ میں بطور نقل موجود ہیں۔

محمد علی السائس استاد جامع الازہر نے کتب تاریخ و فقہ و رجال و اصول فقہ و تراجم کا خلاصہ مضمون پیش کرتے ہوئے اپنی کتاب "تاریخ الفقہ الاسلامی" میں اس عہد کا نقشہ مختصراً اس طرح بیان کیا ہے:۔

وما دامت الحكومة لم تلتزم وقتئذٍ قانوناً خاصاً في التشريع ولا مذهباً معيناً في الفقه حتى لقد كانت المسئلة الواحدة تعرض للفقهاء فتأخذ اكثر من حكم. ويقضي كل من القضاة. ويفتي المفتون بما يرى كل منهم على ضوء اجتهاده. وكذلك الشان بين العلماء فيما لا يتصل بالقضاء كمسائل العبادة وذلك كله طبعاً فيما يكون موضعاً للاجتهاد اما من لم يتهيأ للاجتهاد فله ان يتبع اى مفت يفتيه، اذ لم تكن المذاهب محصورة ولم يلتزم الناس مذهباً بعينه الا بعد ذلك على ما يأتي بيانه۔

اس وقت کی حکومت نے شرعی احکام میں کوئی خاص قانون اختیار نہ کیا تھا نہ کسی معین مذہب اور فقہ کو اپنے اوپر لازم کیا تھا۔ حتیٰ کہ کوئی ایک مسئلہ (مختلف) فقہاء کے سامنے پیش ہوتا اور ایک حکم سے زیادہ احکام حاصل کر لیتا۔ ہر قاضی اپنے طور پر اور ہر مفتی اپنے اپنے طور پر فیصلہ و فتویٰ اپنے اجتہاد کی روشنی میں دے دیا کرتا۔ اور یہی حالت علماء کے درمیان ان مسائل کے متعلق تھی جو قضا سے متصل

نہیں جیسے کہ مسائل عبادت ہیں، اور اجتہادی مواقع میں اس اختلاف کا ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ لیکن جو لوگ اجتہاد کی قدرت نہ رکھتے تھے وہ جس مفتی سے موقعہ ہوتا فتویٰ لے لیتے۔ کیونکہ اس وقت مذاہب کی تعداد مقرر نہ تھی اور نہ لوگوں نے کسی معین مذہب کو اختیار کیا تھا جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

ہمارے اس بیان سے ثابت ہوا کہ اخیارِ عہد سلف میں تمام فقہاء و مجتہدین کی اجتہادی آراء کو شریعت اسلامیہ کے قوانین حقہ تصوّر کیا جاتا رہا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا ان کے متبعین متقدمین نے امام ابوحنیفہ یا امام مالک یا امام حنبل کے مسائل فقہیہ کو غیر اسلامی شمار کیا ہو۔ یا حنفی و مالکی و حنبلی مقلدین کو فقہ شافعی کے خلاف عمل کرنے پر ملحد فی الدین یا خارج از اسلام تصوّر کیا ہو۔ اسی طرح باقی آئمہ نے خود یا ان کے متبعین نے دوسرے ائمہ یا ان کے مقلدین کے بارے میں ایسا تصوّر کیا ہو۔ بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب اور دوسرے ائمہ فقہ و حدیث کے بیان کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود آئمہ بعض اوقات اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلک پر عمل فرما لیا کرتے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے انصاف میں لکھا ہے :-

ومع ھذا فکان بعضھم یصلی خلف بعض مثل ما کان ابو حنیفہ والشافعیؒ وغیرھم رضی اللہ عنھم یصلون خلف ائمۃ المدینۃ من المالکیۃ۔ وغیرھم، وان کانوا لا یقرؤن البسملۃ لا سراً ولا جھراً۔ وصلی الرشید اماماً وقد احتجم فصلی الامام ابو یوسف خلفہ ولم یعد وکان افتاہ الامام مالک بانہ لا وضوء علیہ وکان الامام احمد بن حنبل یری الوضوء من الرعاف والحجامۃ فقیل لہ فان کان الامام قد خرج منہ الدم ولم یتوضأ ھل تصلی خلفہ فقال کیف لا اصلی خلف امام مالک وسعید بن المسیب۔ وروی ان ابا یوسف ومحمداً کان یکبران فی العیدین تکبیر ابن عباس لان ھارون الرشید کان یحب تکبیر جدہ۔ وصلی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ الصبح قریباً من مقبرۃ ابی حنیفۃ رحمہ اللہ فلم یقنت تادباً معہ وقال: ایضاً ربما انحدرنا الی مذھب اھل العراق، الی آخرہ) [1]

اور اس باہمی اختلاف کے باوجود بعض علماء بعض کے پیچھے نماز ادا کر لیا کرتے۔ مثلاً ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب و شافعیؒ وغیرہ مدنی ائمہ مالکیہ کے پیچھے نماز ادا کر لیتے۔ اسی طرح دوسروں کے پیچھے، اگرچہ یہ

---

[1] انصاف ص ۲۸ مطبوعہ مصر ۱۳۲۷ھ

حضرات نماز میں بسم اللہ اخفاء یا جہر کسی طریقہ پر نہیں پڑھتے تھے۔ اور ایک مرتبہ رشید نے نماز کی امامت کی۔ اس کے پیچھے امام ابو یوسف نے نماز ادا کی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ رشید کے لئے یہ تھا کہ پچھنے لگوانے کے بعد وضو باقی رہتا ہے۔ امام احمد نکسیر جاری ہونے اور پچھنے لگوانے سے وضو فاسد ہونے کے قائل تھے۔ آپ سے کسی نے عرض کیا، اگر کسی ایسے شخص نے نماز میں امامت کی جس کے جسم سے خون بہا تھا، کیا آپ اس امام کے پیچھے نماز ادا کرلیں گے۔ آپ نے فرمایا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں امام مالک اور سعید بن مسیب جیسے حضرات کے پیچھے نماز ادا نہ کروں۔ اور امام محمدؒ عیدین میں ابن عباس کی تکبیریں ادا کرلیا کرتے۔ کیونکہ ہارون رشید اپنے دادا کی تکبیر کی تعداد پسند کرتے تھے۔ امام شافعی نے امام ابوحنیفہ کے مقبرے کے قریب صبح کی نماز ادا کی اور اس میں دعا قنوت نہ پڑھی۔ یہ محض ابوحنیفہ کے لئے اظہار ادب کے طور پر۔ اور فرمایا کبھی ہم اہل عراق کے مذہب کی طرف بھی چلے جاتے ہیں۔

سقوط بغداد کے بعد جب اسلامی سلطنت کو زوال آ گیا اور امت مسلمہ کی تمام معاشرتی و سیاسی و دینی زندگی پر جمود کے بادل چھا گئے تو اس وقت وہ نشاط علمی جو خلفاء عباسیہ کے دور میں بروئے کار تھی، اپنی صلاحیت کھونے لگی۔ اسلامی ذہن تقدم سے تاخر کی طرف مائل ہو گیا، اور فکری استقلال کی روح علماء میں مردہ ہوتی چلی گئی۔ محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کے بعد کوئی ایسا شخص علماء میں نظر نہیں آتا جس نے افتاء و استنباطِ مسائل میں اجتہاد مطلق کا مسلک اختیار کیا ہو، چنانچہ ہوا یہ کہ تمام علماء و فقہاء نے اپنے آپ کو اجتہادی فریضہ انجام دینے کا اہل سمجھنا چھوڑ دیا اور محض تقلید پر کفایت کرنا اپنے لئے پسند فرما لیا۔ اس طرح ان حضرات نے مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کو اپنے لئے اختیار کر لیا اور اپنے آپ کو ان مذاہب کے اصول میں اس طرح محصور کر لیا کہ اس سے تجاوز کرنا ان کی نظر میں ناجائز قرار پا گیا۔ اس طرح دسویں صدی میں فقہ اور اہل فقہ کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ اس صدی تک فقہ اور اصول فقہ پر لاتعداد کتابیں لکھی جا چکی تھیں، جن میں مطولات و مختصرات ہر قسم کی تصنیفات شامل تھیں، اس لئے علماء نے صرف ان تصنیفات کی تعلیم ہی پر اپنے فریضۂ علمی کو محدود کر دینا اپنے لئے نجات کا راستہ تصور فرما لیا۔ چونکہ ہر قسم کے علوم دینیہ میں تالیفات و تصنیفات اتنی تعداد کو پہنچ گئی تھیں کہ ان کے بعد ان حضرات کی نظر میں کسی اضافہ کی گنجائش ہی نہ رہی۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ استخراج و استنباط مسائل کا دروازہ بند ہو جائے۔ اور یہی ہوا اور ان تصانیف کی تعلیم اور ان کے محفوظ کر لینے پر ہی ایک عالم کے عالم و فاضل و فقیہہ ہونے کا مدار تصور کیا جانے لگا۔ اب علماء کا کام صرف

یہ سمجھا جانے لگا کہ ان کو صرف سلف کے اقوال نقل کر دینے ہی کا حق حاصل ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ علم تاریخ و رجال، تراجم اور کتب احادیث و سیرت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورۂ صدر جمود و قناعت کا سبب مندرجہ ذیل امور ہوئے:۔

۱۔ ہر فقہی مذہب کے متبعین کے اپنے اپنے مسلک و مذہب کی حمایت کے جذبۂ معاندانہ نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنے مذہب کو پورے عالم اسلام پر مسلط کریں اور اس رجحان نے ان پر اتنا غلبہ حاصل کر لیا کہ دوسرے پہلوؤں پر انھوں نے غور و فکر کرنا ترک کر دیا۔

۲۔ عہد سلف میں قاضی ایسے علماء ہوا کرتے جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استنباط احکام کی پوری قدرت رکھتے تھے نیز وہ تقویٰ و صلاح اور زہد و ورع میں مشہور ہوتے۔ بعد کے ادوار کے قضاۃ کی وہ شان نہ رہی۔ ان میں عناد و تعصب کے جذبات غالب آ گئے۔ امراء و ملوک کے تقرب نے ان کو دنیا طلبی اور عزت و جاہ کی خواہش کی وجہ سے اپنے صحیح دینی فریضہ سے غافل کر دیا۔

۳۔ ہر مذہب میں بے شمار مدونہ کتب نے ان حضرات کو بحث و تنقید اور استخراج و استنباط سے مستغنی کر دیا اور وہ اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں کو معطل کر کے ان کتب ہی کے پڑھنے پڑھانے میں محدود ہو گئے۔

۴۔ علماء میں اجتماعاً و انفراداً تحاسد و تباغض پیدا ہو گیا جس کی بنا پر ان میں سے کسی کو یہ جراءت نہ ہوتی کہ وہ ایک مجتہد کی حیثیت سے جمہور مسلمین کے سامنے آئے کیونکہ اسے یہ خوف لاحق رہتا کہ دوسرے علماء حسد و بغض کے جذبہ کے تحت اس کی تردید میں اپنی پوری قوّت صرف کر دیں گے جس سے کہ اس کو گزند پہنچ سکتا ہے

۵۔ علماء کا باہمی جدل و مکابرہ۔

۶۔ تعلیم و تعلم کو ان کتب پر محصور کر دینا جو محض اس کے اپنے مذاہب سے تعلق رکھتی ہوں اور دوسرے مذاہب کی کتب کے مطالعہ کو گناہ اور انحراف دینی سمجھنا۔

۷۔ مخصوص چند کتب کے درس و تدریس پر انحصار کرنا۔

۸۔ مؤلفات کی کثرت جس نے علوم کی تحصیل حقیقی میں رکاوٹ پیدا کی۔

۹۔ اپنے آپ سے اعتماد کا اٹھ جانا۔

۱۰۔ مال و دولت کے حصول سے شغف اور اسے جمع کرنے کا رجحان۔

یہ وہ امور ہیں جن کا سلسلہ علماء میں آج تک جاری و ساری ہے اور ان میں کمی کی بجائے برابر اضافہ

ہوتا جارہا ہے۔ اگرچہ اسی دور میں ائمہ اربعہ کے مقلدین میں ایسے حضرات بھی موجود رہے ہیں، جو ان تمام علائق سے محفوظ و مامون تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب الشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المیزان الکبریٰ میں فرماتے ہیں :-

ولا بد لکل مسلم من احد ھذہ الطرق لیطابق اعتقادہ بالجنان قولہ باللسان۔ ان سائر آئمۃ المسلمین علی ھدی من ربھم فی کل حینٍ واوان، وکل من لم یصل الی ھذا الاعتقاد من طریق الکشف والعیان۔ وجب علیہ اعتقاد ذلک من طریق التسلیم والایمان، وکما لا یجوز لنا الطعن فیما جاءت بہ الانبیاء مع اختلاف شرائعھم فکذلک لا یجوز لنا الطعن فیما استنبطہ الائمۃ المجتھدون بطریق الاجتہاد والاستحسان[۱]

اور ہر مسلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان طریقوں میں سے کسی ایک سے کام لے تاکہ اس کا قلبی عقیدہ اس کے قول کے مطابق ہوسکے کہ تمام ائمہ حق اور ہدایت پر تھے، جو انہیں اُن کے رب کی طرف سے عطا کی گئی تھی۔ اور جو شخص کشف اور مشاہدے سے یہ اعتقاد نہیں حاصل کر سکتا اس پر واجب ہے کہ محض تسلیم ولقین سے یہ عقیدہ قائم کرے اور جس طرح انبیاء کے لائے ہوئے احکام میں طعن جائز نہیں حالانکہ ان کی شرائع کے احکام میں باہم اختلاف ہے، اسی طرح ائمہ مجتہدین نے جن مسائل کا استنباط بطریقۂ اجتہاد واستحسان کیا ہے اس میں طعن کا جواز نہیں۔

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے :-

ولما اندرست المذاھب الحقۃ الا ھذہ الاربعۃ کان اتباعھا اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنھا خروجاً عن سواد الاعظم۔[۲] اور جب دیگر مذاہب حقہ معدوم ہو گئے سوائے ان چار مذاہب کے تو اب اِن کا اتباع، سواد اعظم کا اتباع ہوگا اور ان سے باہر جانا سواد اعظم سے باہر جانا متصوّر ہوگا۔

اس کے بعد ہی امام ابو شامہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے :-

۱؎ المیزان الکبریٰ مطبوعہ ۱۲۷۹ھ خطبہ صفحہ ۳

۲؎ الانصاف صفحہ ۳۹، ۴۱

فیمن لا یجوّان لیستفتی الحنفی مثلاً فقیہا شافعیا و بالعکس ولا یجوزان یقتدی الحنفی بامام الشافعی مثلاً فان ھذا قد خالف اجماع قرون الاولیٰ وناقض الصحابہ وتابعین ۲؎

اب موجودہ دَور میں ایسے بے شمار واقعات وجود میں آ گئے ہیں اور آ رہے ہیں کہ ان کا حل ہم کسی ایک فقہ میں محصور ہو کر تلاش نہیں کر سکتے اس لئے کہ کسی امام کی فقہ میں موجودہ کسی ایک مسئلہ کے لئے تشدیدی حکم ہوگا اور دوسرے امام کی فقہ میں اس کے مقابلے میں تخفیف ہوگی۔ یا کسی ایک فقہ میں اس حادثہ کے لئے کراہت تحریمی کا حکم ہوگا اور دوسری یا تیسری فقہ میں جائز ومباح اور موجودہ دَور کے حالات کا لازمی اقتضا یہ ہوگا کہ اس مسئلہ میں تخفیفی حکم اختیار کیا جائے۔ تشدیدی نہیں یا اس کے برعکس یا کراہت (حرمت) کو اختیار کیا جائے جواز واباحت کو نہیں۔ یا اس کے برعکس۔ اسی بنا پر آج تمام ممالک اسلامیہ اُردن، مصر شام، عراق، سوریہ اور تونس میں علماءِ مقنّنین نے احکام اسلامیہ کی تقنین وتشریع میں سلف صالحین میں سے تابعین وتبع تابعین اور متاخرین میں سے علامہ اشعری اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ ہی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے اپنے ممالک میں زندگی کے ہر پہلو پر قوانین مرتب کر لئے ہیں جو آج ان ممالک میں نافذ ومعمول بہا ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ استاذ الشریعۃ الاسلامیہ جامعہ عین الشمس (قاہرہ) اپنی کتاب الفقہ الاسلامی میں تحریر فرماتے ہیں:۔ اس وقت جو چیز ہمارے پیش نظر ہے، وہ یہ کہ ہم سابقہ ادوار میں فقہ کے تغیر وتبدل کو پیش نظر رکھ کر ایک ایسا جدید قانون مرتب کریں جو عصر حاضر کے تمام تقاضوں کو پورا کر سکے اور اس ضمن میں ان تمام اصولوں کو پیش نظر رکھیں جو مدون ہو چکے ہیں۔ استاذ موصوف کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:۔

والهدف الذی نرمی الیه هو تطویر الفقه الاسلامی وفقاً لاصول صناعته حتی نشق منه قانوناً حدیثاً یصلح للعصر الذی نحن فیه.... ولیس القانون المصری الجدید او القانون العراقی الجدید۔ الا قانوناً مناسباً فی الوقت الحاضر لمصر والعراق۔ والقانون النهائی الدائم لکل من مصر والعراق، بل ولجمیع البلاد العربیه انما هو" القانون المدنی" الذی نشتقه من الشریعة الاسلامیة بعد ان یتم تطورها۔ ۱؎

۱؎ الفقہ الاسلامی ص ۲۰۲ مطبوعہ مصر ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۸ء طبع ثالثہ